(۱۶)

امام اور ماموم کا مقام اور اس کے تقاضے

(فرمودہ ۲۸؍مئی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

غالباً دو جمعے گزر رہے ہیں کہ میں نے ایک خطبہ اپنے سفر کے دوران میں پڑھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اسے فوراً ''الفضل'' میں چھپنے کیلئے بھجوا دیا جائے۔ کیونکہ وہ خطبہ موجودہ فِتنوں کے متعلق تھا اور گو وہ پڑھا سفر میں گیا تھا اور جو لوگ اُس وقت سامنے بیٹھے تھے ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو قادیان میں نہیں رہتے تھے مگر اُس خطبہ کے پہلے مخاطب قادیان میں رہنے والے لوگ ہی تھے اور میں چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے قادیان میں رہنے والے لوگوں تک پہنچا دیا جائے تا کہ کم سے کم خدا تعالیٰ کے سامنے مَیں بری الذمہ ہوسکوں اور اُسے کہہ سکوں کہ میں نے ان کے سامنے ہدایت اور راستی پیش کر دی تھی۔ اگر باوجود میرے ہدایت پیش کر دینے کے اُنہوں نے اِس پر عمل نہیں کیا تو اس کی ذمہ واری مجھ پر نہیں ان پر ہے۔

میں آج پھر اُسی مضمون کے متعلق آپ لوگوں سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں اور نہ صرف آپ لوگوں سے بلکہ باہر کی جماعتوں سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اِس بات سے بری الذمہ ہوتا ہوں کہ میں نے وہ صداقت آپ لوگوں تک پہنچا دی ہے جو میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا منشاء اور قرآنی تعلیم ہے۔ میں نے اُس خطبہ میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ جو

جماعتیں منظّم ہوتی ہیں اُن پر کچھ ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں اور کچھ شرائط کی پابندی کرنی ان کیلئے لازمی ہوتی ہے جن کے بغیر ان کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل سکتے۔اور سلسلہ کے متعلق میں نے کہا تھا کہ ان شرائط اور ذمہ واریوں میں سے ایک اہم شرط اور ذمہ واری یہ ہے کہ جب وہ ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر چکے تو پھر انہیں امام کے منہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اُٹھانے کے بعد اپنا قدم اُٹھانا چاہئے۔ اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آ کر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہتی۔ اگر ایک شخص اپنے طور پر دوسری قوموں سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور ایسا فتنہ یا جوش پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہو تو اس کے متعلق یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس نے امام اور خلیفہ کے منصب کو چھین لیا اور خود امام اور خلیفہ بن بیٹھا اور وہ فیصلہ جس کا اجراء خلیفہ اور امام کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے تھا خود ہی صادر کر دیا۔ اگر ہر شخص کو یہ اجازت ہو تو تم ہی بتاؤ پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جماعت کے نظام کی مثال اُس ٹین کی سی ہوگی جو کُتّے کی دُم سے باندھ دیا جاتا ہے اور جدھر جاتا ہے ساتھ ساتھ ٹین بھی حرکت کرتا جاتا ہے۔

امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے باوجود بیعت کر لینے کے ابھی تک بیعت کا مفہوم نہیں سمجھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بہت بڑی ذمہ واری جماعت کے علماء پر ہے۔ وہ خلافت اور اس کی اہمیت پر تقریریں کرنے سے ساکت رہتے ہیں اور ان کے لیکچر ہمیشہ اور اَور مضامین پر ہوتے ہیں۔ اس امر کے متعلق بہت ہی کم دلائل قرآن مجید یا احادیث یا عقل سے دیئے جائیں گے کہ خلافت سے وابستگی کتنی اہم چیز ہے۔ وہ سمجھتے ہیں شاید لوگ ان مسائل کو جانتے ہی ہیں اس لئے ان مسائل پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ یہی وہ خیال تھا جس نے پہلے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ گزشتہ علماء نے خیال کر لیا کہ توحید پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا کوئی

مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو توحید کو نہ مانے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ توحید اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح کرنے کی کیا حاجت ہے یہ تو ایک صاف اور واضح مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ رسالت پر ایمان بھی جاتا رہا۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ نظام کی ضرورت پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے سب کو معلوم ہی ہے کہ نظام میں سب برکت ہے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ ان کا نظام بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیال کرلیا کہ نماز اور روزہ کی تاکید کرنے کی بار بار کیا ضرورت ہے سب لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ نمازوں میں بھی سُستی آگئی اور روزے بھی ہاتھ سے جاتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے خیال کرلیا کہ حج کا مسئلہ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی ناواقف ہو اور نتیجہ یہ ہؤا کہ حج کے مسائل بھی لوگوں کے ذہن سے اُتر گئے اور استطاعت کے باوجود انہوں نے حج کرنا چھوڑ دیا۔ تو جب کسی قوم کے علماء یہ خیال کرلیتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل لوگ جانتے ہی ہیں اس قوم میں آہستہ آہستہ ان مسائل سے ناواقفیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور آخر اس نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں ایک حد تک اس کی ذمہ واری جماعت کے علماء پر ہے لیکن ایک حد تک اس کی ذمہ واری جماعت کے افراد پر بھی ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے یہ مسائل بالکل تازہ ہیں اور وہ خلافت کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ کئے جاچکے ہیں اور گو آج اس پر بحثیں نہیں ہوتیں مگر آج سے بیس سال پہلے اس پر خوب بحثیں ہوچکی ہیں اور خود جماعت کے افراد اس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر آج وہ ان مسائل کو کیوں بُھول گئے۔ میں نے اس امر کی طرف توجہ ان واقعات کی وجہ سے دلائی تھی جو قادیان میں حال ہی میں ظاہر ہوئے۔

میں نے دیکھا ہے بعض لوگ فتنہ وفساد کی نیت سے کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست فوراً اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ دشمن کی تو غرض ہی یہ تھی کہ وہ کوئی فتنہ وفساد پیدا کرے اور انہیں زیر الزام لائے۔ ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جس کا دشمن اس کیلئے گڑھا کھودتا اور اُس پر گھاس پھونس ڈال دیتا ہے۔ اور وہ اپنی بیوقوفی سے گھاس پر پاؤں رکھتا

اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خیالی مثال کی کیا ضرورت ہے۔ شیر کے شکاریوں کی مثال لے لو جو پہلے زمانہ میں شیر کا شِکار اِس طرح کرتے تھے کہ گھاس کے نیچے بانس کی کھپچیوں کے اوپر خاص طور پر سریش تیار کر کے چپکا دیتے اور گھاس پر بکرا باندھ دیتے۔ شیر خیال کرتا کہ بکرا میرا شکار ہے اور وہ اُس پر حملہ کر دیتا۔ لیکن جب بکرے کے پاس پہنچتا تو کھپچیوں میں لپٹ جاتا۔ اسی طرح دشمن بعض دفعہ ایسی حرکات کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے مخالف کو بُلاتا ہے کہ آؤ اور مجھ پر حملہ کرو۔ عقلمند آدمی موقع کو خوب سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حملے کا کونسا موقع ہے۔ لیکن نادان آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتا وہ حملہ کر دیتا ہے اور کھپچیوں میں پھنس جاتا ہے۔ پھر شور مچاتا ہے کہ آؤ آؤ اور مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی آواز سُن کر دو چار آدمی اور دشمن پر حملہ کر دیتے ہیں اور وہ بھی انہی کھپچیوں میں پھنس جاتے ہیں اور اسی طرح یہ معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔

انگریزوں میں ایک کہانی مشہور ہے جو اسی قسم کے فتنوں پر چسپاں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی بطخ تھی۔ جب وہ کسی شخص پر ناراض ہوتا تو کسی طرح اُس کا ہاتھ بطخ کو لگوا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس بطخ سے اُس کا ہاتھ چمٹ جاتا اور وہ چُھوٹ نہ سکتا۔ یہ دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار اُسے چُھڑانے کیلئے آتے اور جو بھی بطخ پر ہاتھ ڈالتا اُس کے ساتھ چمٹا جاتا۔ یہی حال ایسی لڑائی کا ہوتا ہے۔ جب ایک شخص لڑائی میں شامل ہوتا اور دشمن کی گرفت میں آجاتا ہے تو شکوہ کرتا اور شور مچانے لگ جاتا ہے کہ میں جماعت کا ممبر ہوں، میری مدد کیوں نہیں کی جاتی۔ میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس شخص کو جواب تو یہ ملنا چاہیئے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کیا کی جائے تم نے نظام کو توڑا اور سلسلہ کی ہتک کی۔ لڑائی کرنا امام کا کام تھا، تمہارا کام نہیں تھا۔ لیکن اُس کی آواز سُن کر کئی رحم دل یا یوں کہو کہ کمزور دل کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ آؤ اس کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ اس کی مدد کیلئے اس کے پیچھے جاتے ہیں اور وہی لڑائی جو پہلے ایک شخص کی تھی اب بیس آدمیوں کی لڑائی بن جاتی ہے اور پھر ایک کی بجائے بیس آوازیں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں کہ آنا آنا، بچانا بچانا۔ اس پر وہ لوگ بھی جو پہلے اس خیال سے خاموش ہوتے ہیں کہ یہ انفرادی فعل ہے اِس میں ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے، جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اب ایک کا سوال نہیں، بیس کا سوال ہے اور وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب لڑائی میں چالیس آدمی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ چالیس اپنے

ساتھ اَوروں کو ملاتے اور ساٹھ بن جاتے ہیں۔ ساٹھ ایک سَو بیس کی کشش کا موجب بنتے ہیں اور ایک سَو بیس کے شور مچانے پر دوسَو چالیس کی تعداد ہو جاتی ہے۔ یہ دوسَو چالیس پھر چار سَو اسّی ہو جاتے ہیں جو بڑھ کر نو سَو ساٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ساری جماعت ایک معمولی وجہ سے ایسی لڑائی میں شامل ہو جاتی ہے جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں ہوتا اور دشمن دل میں ہنستا ہے کہ جو میری غرض تھی وہ پوری ہوگئی۔

ایک مشہور واقعہ پنجاب کے ایک رئیس کا ہے جو اِس مقام پر خوب چسپاں ہوتا ہے۔ پنجاب کے ایک مشہور راجہ گزرے ہیں جن کا نام لینے کی ضرورت نہیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کے دربار میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک وزیر اعظم کی اور ایک اور وزیر کی اور یہ دونوں پارٹیاں روزانہ آپس میں لڑتیں اور راجہ کے پاس شکایتیں ہوتیں۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف شکایت کرتی اور دوسری پہلی کے خلاف راجہ کے کان بھرتی اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی کہ راجہ صاحب ہمارے ساتھ مل جائیں اور دوسری پارٹی پر ناراض ہو جائیں۔ اِس لڑائی نے ترقی کرتے کرتے سخت بھیانک شکل اختیار کر لی۔ ایک دن ایک پارٹی نے تجویز کی کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے مخالف پارٹی کو بالکل کُچل دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک رانی کو اپنے ساتھ ملایا جائے اور یہ مشہور کر دیا جائے کہ اُس کے ہاں اولاد ہونے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک رانی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُسے کہہ دیا کہ عین وقت پر ہم تمہیں ایک بچہ لا کر دے دیں گے اِس سے راجہ کی نگاہ میں تمہاری عزت بھی قائم ہو جائے گی اور اس کے بعد گدی پر بیٹھنے کا بھی وہی حقدار ہوگا۔ جب یہ خبر عام لوگوں میں مشہور ہوگئی تو دوسرے فریق نے راجہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مہارانی حاملہ نہیں بلکہ شرارت سے مخالف پارٹی نے اسے حاملہ مشہور کر دیا ہے۔ اب مہاراجہ صاحب نے بیوی کی نگرانی شروع کر دی اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں پتہ لگا کہ یہ محض فریب کیا جا رہا ہے، رانی حاملہ نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے گورنمنٹ کے پاس اس امر کے متعلق کوشش شروع کر دی کہ جس بچہ کے متعلق مشہور کیا جا رہا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا ہے وہ میرا نہیں ہوگا اور نہ تخت کا وارث ہوگا۔ یہ بات دوسرے فریق پر بھی کُھل گئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کوئی ایسی چال چلنی چاہئے جس کے نتیجہ میں ہماری سکیم فیل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے مختلف لوگوں سے گورنمنٹ کے پاس چِٹھیاں لکھوانی شروع کر دیں کہ مہاراجہ صاحب

پاگل ہو گئے ہیں اور وہ گدی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑتے اور جوش میں آ کر گالیاں دینے لگ جاتے ہیں اور ان کا غصہ حدِ اعتدال سے بالکل باہر نکل گیا ہے۔ مہاراجہ بیچارے کو پتہ بھی نہیں اور گورنمنٹ کے پاس شکایتیں ہو رہی ہیں کہ مہاراجہ صاحب پاگل ہو گئے ہیں۔ پہلے چھوٹوں کی طرف سے گورنمنٹ کو لکھا گیا۔ پھر بڑے بڑے افسروں کی طرف سے اور پھر ان سے بھی بڑے عہدہ داروں کی طرف سے۔ جب شکایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور بڑے بڑے افسروں نے خود مل کر بھی گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنی شروع کر دی تو گورنمنٹ کو خیال پیدا ہؤا کہ تحقیقات کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے مخفی طور پر کمشنر کو بھجوایا کہ وہ مہاراجہ سے باتیں کر کے رپورٹ کرے کہ یہ شکایتیں کس حد تک صحیح ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ڈاکٹر کو بھی ساتھ لیتے جاؤ اور باتوں باتوں میں اندازہ کر کے رپورٹ کرو کہ ان شکایتوں میں کس حد تک معقولیت ہے۔ فریقِ مخالف جس نے شکایت کی تھی وہ چونکہ ہر تدبیر سے اپنی بات کو منوانا چاہتا تھا اس لئے اس نے سرکاری دفاتر میں بھی بعض آدمی خریدے ہوئے تھے۔ جس وقت کمشنر صاحب تحقیقات کیلئے جانے لگے، ان سرکاری آدمیوں نے اطلاع کر دی کہ کمشنر صاحب آ رہے ہیں۔ چنانچہ جونہی انہوں نے سمجھا کہ اب کمشنر صاحب کے آنے کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے اور ایک آدھ منٹ میں ہی وہ دربار میں داخل ہو جائیں گے۔ انہوں نے ایک چَوری جھلنے والے کو اشارہ کر دیا جسے انہوں نے پہلے سے اپنے ساتھ ملایا ہؤا تھا اور اُس نے جُھک کر مہاراجہ کے کان میں دو تین گالیاں ماں اور بہن کی دے دیں۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ مہاراجہ تخت پر بیٹھا ہؤا ہو، دربار لگا ہؤا ہو اور چَوری جھلنے والا مہاراجہ کو اُس کے کان میں ماں کی گالیاں دے دے تو اُس کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ مہاراجہ جوش سے اُٹھا اور اس نے بے تحاشہ اُسے مارنا شروع کر دیا۔ اب غصہ سے اُس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ اسے ٹُھڈے پر ٹُھڈے مارتا چلا جا رہا تھا کہ اتنے میں کمشنر صاحب اندر داخل ہو گئے اور وہ پارٹی کی پارٹی کھڑی ہو کر کہنے لگی ''حضور! روز ساڈے نال اسے طرح ہوندا ہے''۔ یعنی حضور! ہمارے ساتھ روزانہ یہی سلوک ہوتا ہے۔ کمشنر صاحب کی رپورٹ پر گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ مہاراجہ واقعہ میں حواس باختہ ہے نتیجہ یہ ہؤا کہ مہاراجہ صاحب کے اختیارات محدود کر دیئے گئے اور وہ لڑکا جسے رانی نے گود میں ڈال لیا تھا اور جو ایک ملازم سرکار کا لڑکا تھا جسے بعد میں جج بنا دیا گیا، جوان ہو کر گدی پر بٹھایا گیا اور خوش قسمتی سے نہایت شریف اور کامیاب راجہ ثابت ہو رہا ہے۔

تو بعض دفعہ دشمن اس قسم کی چالا کی بھی کرتا ہے۔ سمجھنے والے تو بچ جاتے ہیں لیکن جو اندھا دھند کام کرنے والے ہوں وہ پھنس جاتے اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام نے حکم دیا کہ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ [1] کہ امام کو ہم نے تمہارے لئے ڈھال کے طور پر بنایا ہے۔ اگر اس کے پیچھے ہو کر لڑو گے تو زخموں سے بچ جاؤ گے۔ لیکن اگر آگے ہو کر حملہ کرو گے تو مارے جاؤ گے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کیا حالات ہیں۔ کس وقت اعلانِ جنگ ہونا چاہئے اور کس وقت دشمن کے فریب سے بچنا چاہئے۔ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی بعض دفعہ لوگ آتے اور گھنٹوں آپ سے مخفی باتیں کرتے۔ قرآن کریم میں اِسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے هُوَ اُذُنٌ [2] کہ منافق کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کان ہی کان ہیں۔ ہر وقت لوگ آتے اور انہیں رپورٹیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی مخفی باتوں کا علم ہوا کرتا تھا۔ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ آپ فرماتے میرے پاس رپورٹ آئی ہے کہ آج فلاں جگہ یہ کام ہو رہا ہے۔ تو امام کو وہ معلومات ہوتی ہیں جو اور لوگوں کو نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ فلاں کام جو ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے اور کس طرح ہو رہا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جماعت سے اُسی وقت لڑائی کرائی جائے جب لڑائی کا کوئی فائدہ ہو۔ ورنہ یہ تو نہیں کہ لڑائی کرنے میں تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔

پچھلے دو سال میں مَیں نے ایک ہی وقت میں گورنمنٹ سے اور دوسرے مخالف اقوام سے لڑائی لڑی ہے یا نہیں۔ تم میں سے کئی لوگ تھے جو اُس وقت کہتے تھے کہ ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ وقت لڑنے کا تھا۔ پس ہم لڑے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے فتح پائی۔ لیکن اب جماعت کو ایک ایسے فتنہ میں مبتلا کیا جا رہا ہے جس میں مَیں سمجھتا ہوں ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو دکھا دیں کہ ہم مظلوم اور ہمارا دشمن ظالم ہے اور شرارت کی تمام تر ذمہ واری ہمارے دشمن پر ہے ہم پر نہیں۔ پس جبکہ ہم کو معلوم ہے کہ اِس لڑائی کی وجہ لڑائی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم نے پچھلے دنوں جو حکومت پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم ظالم نہیں بلکہ مظلوم ہیں اور ہمارا دشمن مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس خیال کو مٹایا جائے اَور بعض اور ذرائع سے اپنی مظلومیت حکومت پر ظاہر کریں۔ اگر تم ذرا بھی سوچ سمجھ سے کام لو تو یہ موٹی بات تو تمہیں بھی نظر آ سکتی ہے کہ قادیان میں بلا وجہ فتنے مختلف شکلیں بدلتے

رہتے ہیں۔ایک وقت مسلمانوں کی طرف سے شور مچایا جاتا ہےاور پھر یک دم اس میں تغیر آجاتا ہے اور پولیس کی طرف سے شوراُٹھنا شروع ہوجاتا ہے۔ پھر یکدم یہ حالت بھی بدل جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری لڑائی نہ مسلمانوں سے ہے نہ پولیس سے بلکہ سکھوں سے ہے۔ پھر سکھوں سے لڑتے لڑتے یکدم تغیر آجاتا ہے اور سکھ تو بالکل خاموش ہوجاتے ہیں اور ہندو شور مچانا شروع کردیتے ہیں اور ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کے پیدا کرنے میں بھی ہمارا دخل نہیں ہوتا۔جس وقت مسلمان شور مچارہے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی ایسی حرکت ہم نے نہیں کی ہوتی جو پندرہ بیس سال پہلے ہم نے نہ کی ہو۔ گویا کوئی تازہ حرکت ایسی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہم سمجھیں کہ ان کا شور مچانا حق بجانب ہے۔اسی طرح جب پولیس کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے تو ہماری کوئی ایسی حرکت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ اشتعال میں آئے۔ پھر جب سکھ اور ہندو شور مچاتے ہیں اُس وقت بھی کوئی ایسا نیا فعل ہم سے صادر نہیں ہوتا جس کی وجہ سے سمجھا جائے کہ ان کا شور اور فتنہ وفساد کسی بنیاد پر ہے۔ پس کیا اس محاذ کی تبدیلی سے تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی کہ یہ کسی سازش اور چالاکی کا نتیجہ ہے۔اگر تم بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ تمہیں وسیع علم ہے اور نہ وسیع معلومات کے ذرائع تمہیں حاصل ہیں تو کم سے کم اتنی بات تو تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ کیوں بِلا وجہ ایک وقت مسلمانوں کو جوش آتا ہے تو دوسرے وقت پولیس والوں کو۔کبھی سکھوں کو جوش آجاتا ہے تو کبھی ہندوؤں کو۔کم سے کم اتنی موٹی بات تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ یہ تغیرات جو پیدا ہوئے ان کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا ورنہ بِلا سبب تو یہ نہیں ہوسکتے اور جب یہ بِلا سبب نہیں ہوسکتے اور تمہیں ان کا سبب معلوم نہیں تو تم کیوں اندھیرے میں چھلانگ لگاتے اور سلسلہ کی بدنامی اور ہتک کا موجب بنتے ہو۔ یہ معاملات اُن لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دو جو اِن تغیرات کا سبب جانتے اور اس کی وجہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ سلسلہ کی عظمت لڑائی کرنے میں ہے تو اُس وقت وہ بغیر کسی قسم کے خطرہ کے لڑائی کریں گے اور اُس وقت تم میں سے وہ لوگ جو اِس وقت بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے اور کہتے ہیں ہم صبر نہیں کرسکتے ، ہم دشمن سے لڑیں گے اور مرجائیں گے وہ لڑائی کرنے سے انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہم ہلاکت کے منہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈال سکتے۔ گویا جس وقت ہم کہتے ہیں ہمیں صلح رکھنی چاہئے اور بِلا وجہ دشمن سے لڑائی نہیں لڑنی چاہئے اُس وقت وہ بُزدل اور منافق جو اگر لڑائی ہو تو سب سے پہلے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلیں گے۔ کہتے ہیں ہم بے غیرت نہیں،

ہم دشمن سے ضرور لڑیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اب کسی نے لڑنا نہیں اور جب لڑائی ضروری ہو جائے تو کہہ دیتے ہیں صلح رکھنی چاہئے، آپس کے تعلقات کو خراب کر لینے سے کیا فائدہ۔

آخر کیا تم خیال کرتے ہو کہ ایک شخص کے ہاتھ پر تم بیعت کرتے ہو اور پھر یہ سمجھتے ہو کہ اس کے دل میں سلسلہ کے متعلق اتنی بھی غیرت نہیں جتنی تمہارے دلوں میں ہے۔ حالانکہ اس نے اپنی غیرت کا عملی ثبوت بھی تمہارے سامنے پیش کیا ہوا ہے۔ میں ہمیشہ اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ جماعت کا بیشتر حصہ سچے مخلصوں اور باتیں بنانے والوں میں فرق کیوں نہیں کرتا۔ گزشتہ دو سال میں تم نے دیکھ لیا کہ وہ لوگ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرنیوالے تھے جب اُن پر مقدمے ہوئے تو انہوں نے کیسی بُزدلی اور دوں ہمتی دکھائی۔ جماعت کا ان مقدموں اور سیاسی شرارتوں کے مقابلہ کیلئے تیس چالیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ ہماری حرکات سے اگر سلسلہ کیلئے مشکلات پیش آئیں گی اور سلسلہ کا روپیہ خرچ ہوگا تو اس کا کون ذمہ وار ہوگا۔ اور پھر جب بعض حالات میں مقدمات چلائے گئے تو کیوں یہ لوگ گھبرا گھبرا کر اچھے سے اچھے وکیلوں اور اچھے سے اچھے سامانوں کے طالب ہوئے۔ جن لوگوں کے افعال کی وجہ سے یہ صورتِ حالات پیدا ہوئی تھی انہیں چاہئے تھا کہ یا وہ خود مقدمہ چلاتے یا کانگرس والوں کی طرح ڈیفنس پیش کرنے سے انکار کر دیتے اور قید ہو جاتے۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی کہ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہم سلسلہ کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر جماعت کا پندرہ بیس ہزار روپیہ انہوں نے مقدمات پر خرچ کرا دیا اور پھر بھی وہ مخلص کے مخلص بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کھانوں اور سفر خرچ کے بل جا کر دیکھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دشمن جھوٹ بول رہا تھا اور سلسلہ کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹے مقدمات کر رہا تھا۔ ہم اِن کی مدد کیلئے مجبور تھے گو ہم جانتے تھے کہ بعض جگہ دشمن کو موقع دینے والے خود ہمارے اپنے آدمی تھے۔ اگر ہمارے آدمی میری تلقین کے مطابق صبر سے کام لیتے اور گالی کا جواب نہ دیتے تو اتنا فتنہ نہ بڑھتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے لڑائی کرنا دین کیلئے ضروری ہی سمجھا تھا تو ان کا فرض تھا کہ یا مقدمہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے اور کہتے کہ ہماری جماعت کی مالی حالت کمزور ہے، ہم اس پر اپنا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے اور یا جوابِ دعویٰ سے دستبردار ہو کر معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتے۔ مگر یہ جماعت کا تیس چالیس ہزار روپیہ خرچ کرا دینے کے باوجود مخلص کے مخلص بنے پھرتے ہیں (میں سب

مقدمات کے بارہ میں نہیں کہتا۔ بعض مقدمات سلسلہ کی ضروریات کیلئے خود کئے گئے ہیں اور نہ سب آدمیوں کے متعلق کہتا ہوں جو ان میں مبتلا تھے۔ مگر چونکہ اصل لوگوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا میں نے بات کو عام رکھا ہے تا کسی خاص شخص پر الزام نہ آئے اور اس نوٹ کے ذریعہ سے میں نے اس کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ ناکردہ گناہ لوگوں پر کوئی بدظنی کرے)۔

میں پوچھتا ہوں بھلا گالیاں دینے یا بے فائدہ جوش دکھانے میں کونسی خوبی اور کمال ہے۔ کیا موچی دروازہ کے غنڈے گالیاں نہیں دیتے؟ اگر تم بھی دشمن کے جواب میں زبان سے گالیاں دیتے چلے جاتے ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ تم نے وہ کام کیا جو حق کے دشمن کر رہے ہیں مگر تمہاری اس حرکت کو قربانی قرار نہیں دیا جائے گا۔ قربانی وہ ہوتی ہے جسے عام آدمی پیش نہ کر سکے۔ مگر تقریر کیلئے کھڑے ہو جانا اور اس میں پندرہ بیس گالیاں دے دینا یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ پس صرف اس لئے کہ کوئی شخص بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے، مخلص اور مومن نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ مخلص وہ ہے جو اس چیز کو پیش کرے جسے عام لوگ پیش کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ تم چلے جاؤ لاہور میں یا اور کسی شہر میں اور چلے جاؤ بداخلاق نمائندگانِ مذاہب کی مجالس میں، تمہیں یہی نظر آئے گا کہ جوشیلے اور فسادی لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے، پتھر پھینکتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔ مگر مخلص وہ قربانی کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے۔ لاہور میں ہی جب کوئی فساد ہو، کمزور اخلاق کے لوگ ہمیشہ بڑھ بڑھ کر لاٹھی چلائیں گے۔ لیکن جب اسلام کیلئے مال کی قربانی کا سوال ہو تو پیچھے ہٹ جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ ہم گالیاں دیں، لٹھ ماریں اور پھر پلاؤ زردہ کھائیں۔ پس گالیاں دینا تو کمزور طبع لوگوں کا کام ہے کامل مومنوں والا کام نہیں اور اگر واقعہ میں ان میں اخلاص ہوتا تو جن لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا وہ کہتے ہم جماعت کا ایک پیسہ بھی اِس پر خرچ نہیں ہونے دیں گے ہم نے اپنی ذمہ واری سے کام کیا ہے اور اب اِس بوجھ کو بھی یا خود برداشت کریں گے یا برداشت نہ کر سکنے کی صورت میں قید ہو جائیں گے۔ جماعت کے پاس آگے ہی روپیہ کونسا زیادہ ہے ہم اس پر مزید اپنے مقدمات کا بوجھ کیوں ڈالیں۔ کیا یہ اتنی موٹی بات نہیں جو تمہاری سمجھ میں آ سکے۔ تو تمہیں چاہئے کہ تم مخلص اور کمزور طبع انسانوں میں فرق کرو۔ میں انہیں منافق نہیں کہتا۔ بعض کمزور طبائع ہوتی ہیں ان کا دل ایسا کمزور ہوتا ہے کہ وہ نتائج کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہوتے مومن ہی ہیں مگر دل کی کمزوری کی وجہ سے نتائج برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی حال

ان لوگوں کا ہے انہوں نے بھی بڑھ بڑھ کر باتیں کیں اور جماعت کو مزید مشکلات میں مبتلا کرا دیا اور جب کبھی ان کی مدافعت کی غلط تدبیروں سے فساد اور بڑھ گیا اور اس کے نتائج کو برداشت کرنے کا وقت آیا تو کمزوری دکھادی اور مقدمہ لڑ کر اِس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان کی بریت ہو جائے۔ حالانکہ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں ضرور اسے سزا دوں گا۔ تو اگر اس کا یہ مقولہ صحیح ہے تو سزا دینے کے بعد اسے دلیری سے اپنے جُرم کا اقرار کرنا چاہئے اور اسے کہنا چاہئے مجھے جہاں چاہتے ہو لے جاؤ۔ میں نے اس کے منہ سے گالی سُنی اور میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔ فرض کرو کوئی شخص کہتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں اُسے جُوتی ماروں گا۔ اگر اسے ہماری تعلیم سے اتفاق نہیں تو جائے اور اُسے جوتی مارے اور پھر نتائج بُھگتنے کیلئے تیار رہے۔ مگر اِدھر تو وہ ہماری رائے سے اتفاق نہیں کرتا اُدھر جب دوسرے کو مار کر آتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے فعل کے جواب دہ تم ہو۔

یاد رکھو دنیا میں قیام امن دو ذرائع سے ہوتا ہے یا اُس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے، درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اب جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم میں مار کھانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ بالکل ممکن ہے تم میں سے بعضوں کا یہ خیال ہو کہ ہم میں مارنے کی طاقت ہونی چاہئے۔ میں اِسے غیر معقول نہیں کہتا ہاں غلط ضرور کہتا ہوں۔ یہ ضرور کہتا ہوں کہ اُس نے قرآن کریم کو نہیں سمجھا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو نہیں سمجھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے مارنے کیلئے جو شرائط رکھی ہیں وہ اِس وقت ہمیں میسر نہیں۔ پس کم سے کم میں اسے شرارتی یا پاگل نہیں کہوں گا میں زیادہ سے زیادہ یہی کہوں گا کہ اُس کی ایک رائے ہے جو میری رائے سے مختلف ہے۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہے کہ تم میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے اور پھر جب وہ ہماری تعلیم کے صریح خلاف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے تو بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے بچانا مجھے بچانا۔ آخر جماعت تمہیں کیوں بچائے؟ کیا تم نے جماعت کے نظام کی پابندی کی یا اپنے جذبات پر قابو رکھا؟ اور اگر تم اس خیال کے قائل نہیں تھے تو پھر تمہیں ہمارے پاس بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم دلیری دکھاؤ اور اپنے جُرم کا اقرار کرو۔ اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی

میسر آ جائیں تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی ایسے مل جائیں جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آ جائیں جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں سے بعض دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں تو ان کے منہ میں جھاگ بھر آتی ہے اور وہ کُود کر اُس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اُسی وقت ان کے پیر پیچھے کی طرف پڑ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہ کریں گے لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اُٹھاتا ہے تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائیو! کچھ روپے ہیں جن سے مقدمہ لڑا جائے، کوئی وکیل ہے جو وکالت کرے؟ بھلا ایسے خنثوں نے بھی کسی قوم کو فائدہ پہنچایا ہے؟ بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو دلیری سے سچ بولتا ہے۔ اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو رکھتا ہے۔

پس اگر تم جیتنا چاہتے ہو تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔ جو کچھ میں سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو اُس وقت بیشک لڑو۔ لیکن جب تک تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں۔ لاٹھی اور سوٹے سے ہی نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے۔ لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں تب بھی میں شریف انسان تمہیں تب ہی سمجھوں گا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو کہ گالی دینے والے دشمن کو ضرور سزا دینی چاہئے اور تم اُس گالی دینے والے کے جواب میں سخت کلامی کرتے ہو اور اُس سے جوش میں آ کر وہ پھر اور بدکلامی کرتا ہے تو پھر تم مٹ جاؤ اور اپنے آپ کو فنا کر دو لیکن اُس منہ کو توڑ دو جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے گالی نکلی تھی۔ اُس کو خاموش کرانا تمہارا ہی فرض ہے کیونکہ تمہارے ہی فعل سے اُس نے مزید گالیاں دی ہیں۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم ایک سخت بدلگام دشمن کا جواب دے کر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دِلواتے ہو اور پھر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ رہتے ہو!! اگر تم میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے اور تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہے

کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے تو پھر یا تم دنیا سے مٹ جاؤ یا گالیاں دینے والوں کو مٹا ڈالو۔ مگر ایک طرف تم جوش اور بہادری کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف بُزدلی اور دون ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تو ایسے لوگوں کے متعلق بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلواتے ہیں اور وہ آپ سلسلہ کے دشمن اور خطرناک ہیں۔

اگر کسی کو مارنا پیٹنا جائز ہوتا تو میں تو کہتا کہ ایسے لوگوں کو بازار میں کھڑا کر کے انہیں خوب پیٹنا چاہئے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ گالیاں دلواتے ہیں اور پھر مخلص اور احمدی کہلاتے پھرتے ہیں۔ میں اِس موقع پر ان لوگوں کو بھی جو انہیں اعلیٰ مخلص سمجھتے ہیں کہتا ہوں کہ مومن بیوقوف نہیں ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ گالیاں دینا کوئی بہادری ہے؟ تم کسی چوہڑے کو دو روپے دے کر دیکھ لو وہ تم سے زیادہ گالیاں دے دے گا۔ پس تم بھی اگر گالیاں دیتے ہو تو زیادہ سے زیادہ چوڑھوں والا کام کرتے ہو۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں جو تمہیں سمجھ میں نہ آ سکے۔ مگر میں متواتر تین سال سے سمجھا رہا ہوں اور تم ابھی تک سمجھنے میں نہیں آتے۔ میرے سامنے کوئی آٹھ دس برس کا بچہ لے آؤ، میں یہ باتیں اُس کے سامنے دُہرا دیتا ہوں تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ وہ بچہ میری بات کو کتنی جلدی سمجھ لیتا ہے مگر کیا میرے تین سالہ خطبات بھی تمہیں میرے منشاء سے آگاہ نہیں کر سکے۔

پس میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ ہمارا طریقہ مرنے کا ہے مارنے کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ابھی اِس مقام پر رکھا ہؤا ہے کہ مر جاؤ مگر اپنی زبان نہ کھولو۔ کیا تم نے جہاد پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم نہیں پڑھی؟ اس میں کس وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ اگر جہاد کا موقع ہوتا تو خدا تعالیٰ تمہیں تلوار کیوں نہ دیتا۔ اُس کا تلوار نہ دینا بتاتا ہے کہ یہ تلوار سے جہاد کا موقع نہیں۔ اسی طرح اگر تمہارے لئے مارنے کا مقام ہوتا تو تمہیں اس منہ کے توڑنے کی طاقت اور اس کے سامان بھی ملتے جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر تمہیں اِس کی توفیق نہیں دی گئی اور وہ سامان نہیں دیئے گئے۔ پس معلوم ہؤا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہی مقام مقدر کیا ہے کہ تم گالیاں سنو اور صبر کرو۔ اور اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اسے کہوں گا اے بے شرم! تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس منہ کو کیوں توڑ

نہیں دیتا جس منہ سے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔ گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔ تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو اور پھر تمہاری تگ ودو یہیں تک آکر ختم ہو جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ گورنمنٹ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ کیا اُس کا اور تمہارا مذہب ایک ہے؟ یا اس کی اور تمہاری سیاست ایک ہے؟ یا اس کا نظام تمہارے نظام سے ملتا ہے؟ پھر گورنمنٹ تمہاری کیوں مدد کرے۔ گورنمنٹ اگر ہمدردی کرے گی تو اُن لوگوں سے جو تمہارے دشمن ہیں کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور تم اقلیت میں اور گورنمنٹوں کو اکثریت کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گورنمنٹ کو تم سے کس طرح ہمدردی ہوسکتی ہے۔ اُس کو تو اُسی وقت تک تمہارے ساتھ ہمدردی ہوسکتی ہے جب تک تم خاموش رہو اور دشمن کے مقابلہ میں صبر سے کام لو اور اِس صورت میں بھی صرف شریف حاکم تمہاری مدد کریں گے اور کہیں گے انہوں نے ہمیں فتنہ وفساد سے بچالیا۔ مگر یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ اُس وقت مدد کرے جب دشمن تم کو گالیاں دے رہا ہو اور تم جواب میں اُسے گالیاں دے رہے ہو نادانی ہے۔ اُس وقت اُس کی ہمدردی اکثریت کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ جانتی ہے اقلیت کچھ نہیں کرسکتی۔ پس گورنمنٹ سے اسی صورت میں تم امداد کی توقع کرسکتے ہو جب خود قربانی کرکے لڑائی اور جھگڑے سے بچو اور اُس وقت بھی صرف شریف افسر تم سے ہمدردی کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ہماری بات مان لی اور خاموش رہ کر اور صبر کرکے فتنہ وفساد کو بڑھنے نہ دیا مگر رذیل حکام پھر بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے اور کہیں گے کیا ہؤا اگر دشمن کا تھپڑ اُنہوں نے کھالیا۔ وہ زیادہ تھے اور یہ تھوڑے۔ اگر اکثریت سے ڈر کر تھپڑ کھالیا ہے تو یہ کوئی خوبی نہیں۔ پس وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے اور تمہاری خاموشی کو کمزوری کا نتیجہ قرار دیں گے۔ پس تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا بالکل بے سُود ہے اور مجھے تمہاری مثال ویسی ہی نظر آتی ہے جیسے پہلے زمانہ میں جب یہ معلوم نہ تھا کہ کشمیری فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں۔

ایک دفعہ سرحد پر لڑائی ہوئی اور حکومت انگریزی نے مہاراجہ صاحب جموں سے کہا کہ اپنی فوج میں سے ایک دستہ ہماری فوج کے ساتھ روانہ کردیں۔ اُنہوں نے ایک کشمیری دستہ کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا جب وہ تیار ہو گئے تو کشمیری افسر ایک وفد کی صورت میں مہاراجہ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے اتنی مدت تک آپ کا نمک کھایا ہے ہمیں لڑائی سے ہرگز انکار نہیں، ہم ہر وقت

جانے کیلئے تیار ہیں صرف ایک ہماری عاجزانہ التماس ہے اور وہ یہ کہ سُنا ہے پٹھان سخت وحشی ہوتے ہیں آپ ہمارے ساتھ کچھ سپاہی کر دیں جو ہماری جانوں کی حفاظت کریں۔ تم بھی خدا کے سپاہی کہلاتے ہو مگر انگریزی سپاہیوں کے پہرے میں کام کرنا چاہتے ہو۔ پھر تم سے زیادہ بے غیرت اور کون ہوسکتا ہے۔ اِس وقت تم سب اِس مثال کے سننے پر ہنس پڑے ہو مگر کیا تمہاری بھی یہی حالت نہیں۔ تم کہتے ہو دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں مگر انگریزی سپاہیوں کی حفاظت میں۔ اگر واقعہ میں تم خدا تعالیٰ کے سپاہی ہو اور اُس کے دشمن کے مقابل پر کھڑے ہو تو پھر تمہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم میرے بتائے ہوئے طریق کے ماتحت صبر اور شکر کرو پھر خدا تعالیٰ کے سپاہی آپ تمہاری مدد کیلئے آسمان سے اُتریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ ایک مقدمہ ہؤا۔ جس مجسٹریٹ کے پاس وہ مقدمہ تھا اُس پر لاہور کے بعض آریوں نے سخت زور ڈالا کہ جس طرح بھی ہو سکے تم کسی نہ کسی طرح مرزا صاحب کو سزا دے دو اور اِس قدر اصرار کیا کہ آخر اس نے وعدہ کرلیا کہ میں کچھ نہ کچھ سزا انہیں ضرور دے دوں گا۔ ایک ہندو دوست جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے یہ تمام حالات ایک احمدی وکیل کے پاس بیان کئے اور کہا کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا آریوں نے بہت اصرار کیا اور آخر مجسٹریٹ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں ضرور حضرت مرزا صاحب کو کچھ نہ کچھ سزا دے دوں گا۔ وہ احمدی وکیل گھبرائے ہوئے گورداسپور آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن دنوں گورداسپور میں ہی تھے میں وہاں موجود نہیں تھا لیکن جو دوست وہاں موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اُس دوست نے آکر ذکر کیا کہ حضور! ہمیں کوئی فکر کرنا چاہئے اس مجسٹریٹ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ کو ضرور سزا دے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی بات دُہرائی اور کچھ اور دوست بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور سب نے کہا کہ اب ضرور کوئی فکر کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے جب متواتر یہ بات سُنی تو آپ نے چارپائی سے سر اُٹھایا اور لیٹے لیٹے کُہنی پر ٹیک دے کر بڑے جلال سے فرمایا وہ مجسٹریٹ ہوتا کیا چیز ہے وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔

پس کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ ہو تو یہ مجسٹریٹ اور افسر اور پولیس کے آدمی تمہیں

کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ہاں تمہیں اُس تعلیم پر عمل کرنا چاہئے جو خدا تعالیٰ کے مامور نے تمہیں دی اور جو یہ ہے کہ ؎

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کِبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اور جو تعلیم قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے دی ہے کہ جب کسی مجلس میں خدا اور اُس کے رسول کو گالیاں دی جاتی ہوں تو وہاں سے اُٹھ کر چلے آؤ اور بے غیرت مت بنو۔ مگر تمہاری غیرت کا یہ حال ہے کہ اِدھر ہم منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے جلسہ میں کوئی نہ جائے اور اُدھر تم میں سے کوئی کونوں میں چھپ کر ان کی تقریریں سنتا ہے، کوئی کسی ہمسایہ کے مکان پر چڑھ کر وہاں سے تقریریں سنتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں یہ گُدگُدی اُٹھ رہی ہوتی ہے کہ کسی طرح جائیں اور گالیاں سنیں۔ کیا تم نے کبھی مجھے بھی دیکھا کہ میں ان جلسوں میں گیا ہوں؟ پھر کیا تمہارے سینہ میں ہی دل ہے میرے سینہ میں نہیں۔ پھر تم کو کیوں شوق آتا ہے کہ جاؤ اور گالیاں سنو۔ اِسی وجہ سے کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں تو اِس سے مراد وہی خاص لوگ ہیں جو بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر قابلِ شرم بے غیرتی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ پس تمہارا گالیاں سننا بتاتا ہے کہ تمہارے دل مُردہ ہو چکے ہیں۔ تم بے ایمانی کے ساتھ ایمان کا جبہ پہن کر نکلے ہو اور تمہاری غرض محض تماش بینی ہے۔ ایسے لوگ اُس وقت بھی تماش بین ہوتے ہیں جب وہ ہماری مجلسوں میں شور مچا رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کی حفاظت ہونی چاہئے۔ اور جب وہ اُس مجلس میں جاتے ہیں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں تو وہاں بھی ان کی حیثیت ایک تماش بین کی سی ہوتی ہے اور یقیناً ایسے لوگ اپنی قوم کیلئے عار اور ننگ کا باعث ہوتے ہیں۔

پھر میں تمہیں کہتا ہوں تم اپنے آپ کو باغیرت کہتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ تم سلسلہ کیلئے قربانی دینے والے ہو مگر تمہارے پاس اِس الزام کا کیا جواب ہے کہ جب آریوں کا پروسیشن نکل رہا تھا تو تم میں سے ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اس میں غیرت کا کونسا سوال تھا؟ کیا دوسری قوموں کا حق نہیں کہ وہ بھی اپنے بزرگوں کے حق میں نعرے لگائیں؟ تم کہتے ہو لوگ ہم پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے کہ تم میں سے کسی نے

ایسا نہیں کیا مگر تم انصافاً آپ ہی بتاؤ کہ جس وقت تمہارا پروسیشن نکل رہا ہو اور تم محمد زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہو تو اُس وقت اگر کوئی شخص ابوجہل زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو تمہارے تن بدن میں آگ لگ جائے گی یا نہیں؟ اگر لگ جائے گی تو تمہیں سمجھنا چاہیئے کہ تمہارے دشمن کے سینہ میں بھی دل ہے۔ اور اُس کا دل بھی اُس وقت دکھتا ہے جب تم اُس کے مظاہرہ کے وقت میں مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہو۔ پس تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے مُردہ باد نہیں کہا تھا، زندہ باد کہا تھا۔ سوال یہ نہیں کہ تم نے کیا کہا بلکہ سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر زندہ باد کا نعرہ لگانا بھی دوسرے کو چڑانا اور اسے تکلیف دینا ہوتا ہے۔ جس وقت تم اپنا پروسیشن نکال رہے ہو اور سلسلہ کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہو اُس وقت اگر کوئی شخص لیکھرام زندہ باد یا ثناء اللہ زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو ایمان سے کہو کہ تمہیں غصہ آئے گا یا نہیں؟ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ پھر کیا تمہارے ہی سینہ میں دل ہیں اور تمہارے دشمن کے سینہ میں دل نہیں کہ تمہیں تو ایسے نعرے بُرے لگ سکتے ہیں مگر انہیں بُرے نہیں لگ سکتے ہیں۔ میں تو حیران ہوتا ہوں جب میں یہ بحث سنتا ہوں کہ ہم نے مرزا غلام احمد زندہ باد کہا تھا۔ لیکھرام مُردہ باد تو نہیں کہا تھا حالانکہ سوال زندہ باد کہنے کا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ زندہ باد کا نعرہ کس موقع پر لگایا تھا۔ کیا وہ تمہارا جلسہ تھا؟ اگر تم اپنے جلسہ میں اس قسم کا نعرہ لگاتے تو یہ ایک معقول بات سمجھی جا سکتی تھی مگر غیر کے جلسہ یا جلوس میں نعرے لگانا صریح اشتعال دلانے والی حرکت تھی۔ پس یہ بحث ہی کیا ہوئی کہ ہم نے لیکھرام مُردہ باد نہیں کہا، مرزا غلام احمد زندہ باد کہا۔ اُس وقت مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی لیکھرام مُردہ باد کہنے کے مترادف تھا۔ یاد رکھو جب کوئی قوم اپنے کسی لیڈر کے اعزاز میں پروسیشن نکال رہی ہو تو اس وقت تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم اُس میں دخل دو اور اگر تم اپنے لئے یہ بات جائز سمجھتے ہو تو پھر دشمن کا بھی حق ہوگا کہ وہ تمہارے پروسیشن میں لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا انہوں نے جھوٹ بولا۔ کیونکہ اِس وقت تک کوئی گواہی ایسی نہیں ملی جس سے یہ الزام ثابت ہوا ہو۔ علاوہ ازیں جب وہ شخص جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے قسم کھا کر کہہ چکا ہے کہ میں نے اِس قسم کا نعرہ نہیں لگایا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کی قسم کو تسلیم کریں۔ پس یہ جو کہا گیا کہ احمدیوں کی طرف سے لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا یہ جھوٹ کہا گیا اور اس میں کسی قسم کی سچائی نہیں۔ یہ کہنا کہ پولیس کی ڈائری میں یہ لکھا ہوا ہے یہ بھی کوئی معقول ثبوت نہیں۔ پولیس والے بیسیوں جھوٹ بول لیتے ہیں

اور جب وہ انہی کے چٹے بٹے ہیں تو ان سے ہم سچائی کی توقع کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ پھر جس شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا جب وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا نعرہ نہیں لگایا تو اب اِس کے بعد تصفیہ کی صورت یہی رہ جاتی ہے کہ پولیس والے قسم اُٹھالیں کہ واقعہ میں لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا پھر خدا خود فیصلہ کر دے گا کہ کس نے سچ بولا اور کس نے جھوٹ۔

پولیس کی ڈائریوں کا تو یہ حال ہے کہ گزشتہ سالوں میں جب یہ الزام لگایا گیا کہ احمدی لیکچراروں نے ڈپٹی کمشنر کو حرامزادہ کہا ہے تو پولیس کے جس آدمی نے یہ رپورٹ کی تھی اُسے جب کہا گیا کہ ڈپٹی کمشنر چھوڑ کسی کو بھی کسی احمدی لیکچرار نے حرامزادہ نہیں کہا پھر تم نے ایسا کیوں لکھا؟ تو وہ کہنے لگا یہ ایک راز کی بات ہے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر کم سے کم بیس فیصلے ہائی کورٹ کے مَیں ایسے پیش کر سکتا ہوں جن میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ پولیس والوں نے جھوٹ بولا۔ پس ہم کہتے ہیں یہ الزام بالکل جھوٹا ہے۔ جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے وہ قسم اور غلیظ قسم کھا کر اپنے کو بری ثابت کر چکا ہے۔ اور اگر یہ جھوٹی قسم ہے تو اس کے مقابلے میں دوسرا شخص جسے یہ یقین ہے کہ واقعہ میں لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا کیوں ایسی ہی قسم نہیں کھا لیتا۔ پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی مخالف نے خود اِس قسم کا نعرہ لگا دیا ہو تا کہ فتنہ پیدا ہو جائے۔

پس قسمیہ طور پر اس بات کو بیان کر دینے کے بعد کہ لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ نہیں لگایا گیا ہم اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ یہ الزام درست ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس موقع پر مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی فتنہ پیدا کرنے کا موجب تھا۔ ہماری جماعت بھی اپنے جلوسوں میں زندہ باد کے نعرے لگایا کرتی ہے۔ ایسے مواقع پر اگر مقابل کا فریق بھی نعرے لگانا شروع کر دے تو فساد ہوگا یا نہیں۔ پس میں تو ہرگز نہیں سمجھتا کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے وہ دوسروں کیلئے جائز سمجھیں۔ بحیثیت انسان ہونے کے ہندو بھی وہی حق رکھتے ہیں جو ہم رکھتے ہیں بلکہ سکھوں اور ہندوؤں کو جانے دو چوڑھوں کا بھی انسان ہونے کے لحاظ سے وہ حق ہے جو ایک مسلمان یا سکھ یا ہندو کا ہے۔ اور ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ ہمیں تو فلاں حق حاصل ہے مگر ہندوؤں یا سکھوں یا چوڑھوں کو حاصل نہیں۔ جو حق ہمیں حاصل ہوگا وہ دوسروں کو بھی حاصل ہوگا اور جو بات ہمیں بُری معلوم ہوتی ہو ہم کو چاہئے کہ دوسرے کے حق میں بھی اِس طرح نہ کریں۔ آج ہی اگر میں ایک میٹنگ کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات

پیش کروں کہ جب آپ لوگ کہتے ہیں '' محمدؐ زندہ باد '' یا '' غلام احمد کی جے '' تو کیا آپ اُس وقت برداشت کریں گے کہ آپ کے جلوس میں ہی مخالف ابوجہل زندہ باد یا لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ سَو فیصدی لوگ اشتعال میں آجائیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہم اپنے جلسہ یا جلوس میں اس قسم کے نعرے ہرگز نہیں سُنیں گے۔ پس اگر تم اپنے جلسوں اور جلوسوں میں ان نعروں کو سننے کیلئے تیار نہیں تو کیا تمہارا فرض نہیں کہ دوسروں کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی تم اپنی زبانوں کو روکو اور اپنے جذبات پر قابو رکھو۔

پھر ایک اور موٹی بات ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئے اور وہ یہ کہ تم میں سے ایک شخص ایک مُجرمانہ فعل کرتا ہے تو تم سب کو کیوں فکر پڑ جاتی ہے حالانکہ تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ تم مجرم کو مجرم قرار دے دو اور اس کے فعل سے اپنی بے تعلقی اور براءت کا اظہار کر دو۔ آج ہندوستان میں جس قدر فسادات ہیں ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جُرم کرتا ہے اور اُس کی ساری قوم سمجھ لیتی ہے کہ شاید ہم پر الزام لگا ہے اور زخم کردہ قوم واقعہ میں بھی اس ساری قوم کو مجرم سمجھنے لگتی ہے۔ اگر تم بھی ایسا ہی کرو تو تم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے۔ اگر کسی نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تو بیشک یہ فقرہ بالکل سچ تھا مگر سچے فقرے بھی بعض دفعہ فتنہ وفساد کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہی آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ہمارے رسول! بعض منافق تیرے پاس آتے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ تُو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے مگر اے ہمارے رسول منافق اس وقت جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ پس بعض لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کو رسول کہنا بھی جھوٹ تھا حالانکہ اس سے بڑھ کر سچی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے ایک دفعہ کہا بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے،[3] مسلمانوں کے کام باہمی مشورہ سے ہونے چاہئیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ [4] کہ یہ بات تو سچی ہے مگر اس سے فساد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو ہر سچی بات موقع ومحل کو مدنظر رکھے بغیر بیان کرنی جائز نہیں ہوتی۔ میاں اور بیوی کے تعلقات سے زیادہ حلال اور کونسا تعلق ہو سکتا ہے مگر کیا جائز ہے کہ انسان مخصوص تعلقات کا ذکر کرے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اُس عورت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اپنے خاوند

کے پاس جاتی اور پھر باہر جا کر اُس کے متعلق باتیں کرتی ہے مگر کیا وہ سچ نہیں ہوتا۔

غرض سچائی کے اظہار کیلئے بھی شرائط ہوتی ہیں اور ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس بات کو سچائی سمجھتا ہے وہ اس سچائی کے اظہار کا حق تو رکھتا ہے لیکن دشمن کی مجلس میں جب طبائع میں جوش ہوا ُسے اس کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جب لوگ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں اُس وقت ان کی ساری عقیدت جو اپنے پیشواؤں کے ساتھ وہ رکھتے ہیں پُھوٹ پُھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہے۔محرم میں جب شیعہ لوگ روتے پیٹتے ہیں، سُنی بھی شیعہ ہوجاتے اور ان میں سے اکثر ان میں شامل ہوجاتے ہیں۔کسی عقلمند کا مقولہ ہے کہ مسلمان گیارہ مہینے سُنی رہتے ہیں اور بارھویں مہینہ سب شیعہ بن جاتے ہیں۔درحقیقت یہ بات بالکل درست ہے۔جس وقت شیعہ لوگ ''یاحسین یاحسین'' کے نعرے لگاتے ہیں تو واقعاتِ کربلا کی یاد میں سُنیوں کی عقلوں پر بھی پردہ ڈال کر انہیں شیعہ بنادیتی ہے اور اپنی سُنیّت انہیں بھول جاتی اور شیعیت ان پر غالب آجاتی ہے۔اسی طرح جس وقت ہندو یا سکھ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں ان کی عقیدت کا جوش انتہاء تک پہنچاہوا ہوتا ہے۔اُس وقت اگر کوئی مخالف اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو گو وہ ایک سچائی ہی ہو مگر چونکہ اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے اس لئے وہ مجرم ہے اور اس کی جماعت کا کوئی حق نہیں کہ اس سے ہمدردی کرے۔

درحقیقت میں تو اب کچھ مدت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ تمام جلوسوں کو بند کردے۔جلوسوں کی وجہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے فساد ہوتے ہیں۔ جب جلوس نکلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفت آگئی۔ اِدھر جلوس والوں میں جوش ہوتا ہے اُدھر جلوس کو دیکھ کر مخالفوں کے دلوں میں غیظ وغضب بھڑک اُٹھتا ہے اور بسا اوقات فساد اور کشت وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس ہندوستان کے امن کی راہ میں جلوس ایک خطرناک روک ہیں اور گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ ان جلوسوں کو بند کردے۔اگر گورنمنٹ جلوسوں کے متعلق کوئی ایسا عام فیصلہ صادر کردے کہ کسی کو بھی جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہوگی تو میں اپنی جماعت کی طرف سے حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس کے خلاف نہ صرف کوئی پروٹسٹ نہیں کریں گے بلکہ حتّی الاِمکان اس کی مدد کریں گے۔کیونکہ اس زمانہ میں جلوس سخت فسادات کا موجب بنے ہوئے ہیں۔

پس تم میں سے جس شخص نے بھی یہ نعرہ لگایا اُس نے سخت غلطی کی اور ایک مجرمانہ فعل کا ارتکاب

کیا۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ کوئی سوال نہیں کہ نعرہ کیا لگایا گیا اور میں تو یہاں کے لوگوں کے خطوں کو پڑھ پڑھ کر سفر میں حیران ہوتا رہا کہ یہ کیا لکھا ہوتا ہے کہ پولیس کا الزام غلط ہے۔ ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تھا، لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ اس نے نہیں لگایا، مجھے ان دونوں فقرات میں فرق تو نظر آتا ہے مگر مجھے ان میں سے کسی کے جواز کی بھی دلیل نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو یہ کہنا کہ لیکھرام مُردہ باد ہم نے نہیں کہا مرزا غلام احمد زندہ باد ہم نے کہا۔ ویسی ہی بات ہے جیسے میری ایک بھانجی کو ایک اُستاد پڑھایا کرتا تھا۔ بچی بہت چھوٹی تھی۔ اُسے آداب کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ایک دن اس نے کسی لڑکی کے منہ سے گدھی کا لفظ سنا اسے یہ لفظ بہت پسند آیا اور جب اُستاد اُسے پڑھانے آیا اور کسی بات پر ناراض ہؤا تو وہ کہنے لگی ''ددھی'' یعنی تُو گدھی ہے بوجہ زبان کے صاف نہ ہونے کے گدھی کی جگہ اُس نے ''ددھی'' کہا۔ اُستاد نے اس کے والد کے پاس شکایت کی کہ آپ کی لڑکی نے آج مجھے گدھی کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے کہیں سے گدھی کا لفظ سنا ہے اور اب یہ گالی اس کی زبان پر چڑھ گئی ہے۔ باپ نے لڑکی کو بُلایا۔ چونکہ واقعہ تازہ ہی تھا اس لئے وہ سمجھ گئی کہ ضرور اِسی بات کی وجہ سے مجھے بلایا گیا ہے۔ وہ ڈرتی ڈرتی اور کانپتی کانپتی آئی اور کہنے لگی ددھی نہیں ددھا یعنی میں نے گدھی کہنے میں غلطی کی اصل میں مجھے گدھا کہنا چاہئے تھا۔ اُس نے سمجھا شاید غلطی اِس میں ہوئی ہے کہ میں نے مرد کو گدھی کہہ دیا حالانکہ اسے گدھا کہنا چاہئے تھا اور اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ مجھے ان میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہئے تھا۔ یہی مثال اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔ اس موقع کے لحاظ سے یہ دونوں فقرے جو زیر بحث ہیں نامناسب تھے اور نہیں کہنے چاہئیں تھے۔ پس تم اپنے جذبات کو روکنے کی عادت ڈالو اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھو۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ہم انتہائی کوشش کر کے دشمن کو جب اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ مجرم ثابت ہونے والا ہوتا ہے اور اس کی سَو گالیاں پکڑ لیتے ہیں تو جھٹ تم میں سے ایک شخص کوئی سخت لفظ کہہ دیتا ہے اور خواہ وہ گالی نہ ہو محض ایک سخت لفظ ہو حکومت ان کی سَو گالیوں کو پرے پھینک کر کہہ دیتی ہے کہ آپ کے آدمی نے بھی یہ گالی دی ہے۔ پس تمہارے اس ایک آدمی کی غلطی کی وجہ سے حکام ایک عرصہ تک یہی دُہراتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے آدمی نے بھی یہی بات کہی تھی اور اس طرح ہماری ساری سکیم تم میں سے ایک شخص جوش میں آ کر تباہ کر دیتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں اب ضرب لگانے کا وقت ہے، ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنی بیوقوفی سے اُس ضرب کو اپنے

اوپر لے لیتا اور بنی بنائی سکیم کو بگاڑ دیتا ہے۔

پس میں پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری یہ باتیں سمجھنی مشکل نہیں۔ تم میں سے جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ باتیں مشکل ہیں اور جلدی سمجھ میں نہیں آسکتیں وہ کوئی آٹھ دس سال کا بچہ میرے سامنے لے آئے، میں اُسے یہ تمام باتیں سمجھا کر بتا دیتا ہوں۔ پھر اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ سمجھو تو سوائے اس کے اور کیا معنے ہوں گے کہ تم چاہتے ہی نہیں کہ سمجھو اور میری باتوں پر عمل کرو۔ میں سوئے ہوئے کو تو جگا سکتا ہوں مگر جو جاگ رہا ہو اور یونہی آنکھیں بند کر کے پڑا ہؤا ہو، اُسے کس طرح جگا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق تو میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں خدا سے ہی کہوں کہ خدایا! مجھے اِس نادان دوست سے بچا کہ یہ میرے کام میں روک بنا ہؤا ہے۔

(الفضل ۵ / جون ۱۹۳۷ء)

۱؎ بخاری کتاب الجهاد باب يقاتل من وراء الامام ويتقٰى بهٖ

۲؎ التوبة: ٦١

۳،۴؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۴۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء